قیامِ پاکستان کے بعد اردو شاعری میں ہند اسلامی تہذیب کی عکاسی

Reflection of Indo-Islamic Civilization in Urdu Poetry after Creation of Pakistan

محمد ادریس درانی [i]   ڈاکٹر کامران عباس کاظمی [ii]

Abstract:

After the arrival of Muslims in India, they had a profound impact on the intellectual and cultural atmosphere there. Although Muslims and Hindus are two separate nations whose history, religion, clothing, lifestyle, customs and moral values are different from each other, however a new civilization was formed by their social interaction, which had all the colours of the local society and Islam as well. This new civilization is called Indo-Islamic civilization and the formation of Urdu language is the most prominent manifestation of this common culture. The elements of Indo-Islamic civilization can be clearly seen in the early examples of Urdu poetry and prose. The tradition started by the Sufis regarding Indo-Islamic cultural elements in Urdu poetry. Even after the establishment of Pakistan, poets continued it and thus this tradition of reflection of Indo-Islamic civilization in Urdu poetry is vibrant with all possibilities. In this article, the analysis has been presented regarding reflection of Indo-Islamic civilization in Urdu poetry after creation of Pakistan.

Keywords: *Intellectual, Cultural, Indo-Islamic Civilization, Tradition, Establishment of Pakistan, Urdu Poetry.*

مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد کے بعد یہاں کی فکری و تہذیبی فضا پر ان کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ اگرچہ مسلمان اور ہندو دو الگ الگ قومیں ہیں جن کی تاریخ، مذہب، لباس، رہن سہن، رسم و رواج اور اخلاق اقدار ایک دوسرے سے مختلف ہیں تاہم ان کے سماجی تفاعل سے ایک نئی تہذیب کی تشکیل ہوئی جس میں مقامی معاشرت کے سارے رنگ بھی تھے اور اسلامی تہذیب کی خصوصیات بھی۔ یہ نئی تہذیب ہند اسلامی تہذیب کے نام سے موسوم ہوئی اور اردو زبان کی تشکیل اس مشترکہ تہذیب کا نمایاں ترین مظہر ہے۔ اردو نظم و نثر کے ابتدائی نمونوں میں ہند اسلامی تہذیب کے عناصر واضح طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ اردو شاعری میں ہند اسلامی تہذیبی عناصر کے حوالے سے صوفیائے کرام نے جس روایت کا آغاز کیا، قیامِ پاکستان کے بعد بھی شعرا نے اسے برقرا ررکھا ہے اور یوں اردو شاعری میں ہند اسلامی تہذیب کی عکاسی کی یہ روایت تمام ترامکانات کے ساتھ جلو ہ گر ہے۔ اس مضمون میں قیامِ پاکستان کے بعد اردو شاعری میں ہند اسلامی تہذیب کی عکاسی کے حوالے سے تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

کلیدی الفاظ: فکری تبدل ، ثقافتی ارتقاء ، ہند اسلامی تہذیب ، قیامِ پاکستان ، اردو شاعری ۔

کسی معاشرے کے افراد کے رہن سہن، اسلوبِ حیات اور ثقافتی ورثے کا دوسرا نام تہذیب ہے۔ تہذیب افراد کی مجموعی زندگی اور آدابِ زندگی کی عکاسی کرتی ہے جس کے پیچھے کچھ مذہبی، سماجی اور اخلاقی اقدار ہوتی ہیں۔ معاشرے کی تہذیبی زندگی سے اس معاشرے کی فکری و نظریاتی سمت کا اندازہ لگایا جا سکتا

---

[i] اسکالر پی ایچ ڈی، شعبہ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد(Corresponding Author)

[ii] اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد

ہے۔ دنیا کی تمام تہذیبیں ایک دوسرے سے علوم و فنون اور رسوم و رواج کو جذب کر کے اپنی نشو و نما کرتی ہیں۔ ڈاکٹر سجاد باقر رضوی نے تہذیب کی تعریف کچھ یوں کی ہے:

> ”تہذیب کسی قوم کے علوم و فنون، اخلاق و اقدار سے تعلق رکھتی ہے۔ بہت سے رسم و رواج جو تہذیبی زندگی کا جزو ہوتے ہیں، تمدنی یا خارجی ماحول میں اپنی شکل وضع کرتے ہیں۔“[۱]

تہذیب اپنے جغرافیے اور تاریخ سے اکتسابِ فیض کرتی ہے۔ ہر تہذیب اپنے معاشرتی پس منظر اور عہد بہ عہد ارتقا کے لحاظ سے دنیا کے دیگر معاشروں سے مختلف ہوتی ہے۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ تہذیب کو معاشرے کی اقدار کی روح قرار دیتے ہیں جو دراصل ملکی روح کا ردِ عمل ہوتی ہیں۔ وہ تہذیب کی وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ”تہذیب کا سب سے بڑا ماخذ مزاجِ عامہ یا ملکی روح ہی ہوتی ہے۔ دوسرے مآخذ مذہبی، فکری، تاریخی اور تہذیبی تحریکیں اور ان کے اثرات ہیں۔ ان تحریکوں اور ان کے اثرات اور ملکی روح کے عمل اور ردِ عمل ہی سے 'اقدار کے اس ہم آہنگ اجتماعی شعور' کی تشکیل ہوتی ہے، جس کی جامع حرکی رَو کو بالعموم تہذیب کہہ کر پکارا جاتا ہے۔“[۲]

تہذیب، کلچر، ثقافت اور تمدن کا تعلق بہ راہِ راست یا بالواسطہ کسی بھی معاشرے کے افراد کی اجتماعی فکر اور طرزِ زندگی سے ہے، تاہم ان اصطلاحات کے معانی و مفاہیم اپنی وسعت و ہمہ گیریت کے لحاظ سے متنوّع الجہات پس منظر کے حامل ہیں۔ دنیا کی تاریخ اور تہذیب و معاشرت پر گہری نظر رکھنے والے ماہرین کے ہاں ان اصطلاحات کی تعبیر و توضیح کے حوالے سے اختلافِ رائے پایا جاتا ہے، تاہم ان کے نزدیک ان سب اصطلاحات کے پس منظر میں عقائد و نظریات کی بنیاد پر اختیار کردہ مذہبی، اخلاقی، سماجی رویے اور معاشرتی و سیاسی طرزِ زندگی شامل ہے۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق مسلم فکر و فلسفہ کے حامل اہم دانش ور ہیں، جنھوں نے تہذیبی عناصر کی کھوج کے لیے بنیادی مآخذ تک رسائی حاصل کی۔ وہ قرآنِ حکیم، احادیث اور دیگر الہامی کتب کے علاوہ اساطیری روایات کے ذریعے اپنے دانش مندانہ افکار کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کرتے ہیں۔

وہ تہذیب اور دیگر مروجہ اصطلاحات یعنی کلچر، ثقافت اور تمدن کی تشریح و توضیح کچھ یوں کرتے ہیں:

> ''یہ چاروں الفاظ ہم معنی نہیں ان میں بعض خصوصیات مشترک ہیں لیکن فرق ضرور ہے، خواہ وہ بہت معمولی سا ہے۔ کلچر ایک نقطہ نگاہ کا نام ہے اس کا عملی اظہار تہذیب ہے۔ کلچر صرف ذہن کا عمل ہے اور تہذیب ذہنی تصورات اور خارجی اعمال ہر دو کا مجموعہ۔ ثقافت، تمدن اور کلچر خاص ہیں۔ ثقافت کا تعلق علوم وفنون سے ہے، تمدن کا عمارات باغات سے ہے۔ کلچر کا تعلق دانش، ذہنی تصورات اور ایمانیات سے جب کہ تہذیب ایک عام چیز ہے ان تینوں پر حاوی۔'' [۳]

تہذیب ایک جامع اور وسیع اصطلاح ہے جس میں ثقافت، تمدن اور کلچر جیسی دیگر اصطلاحیں بھی مدغم ہوتی نظر آتی ہیں۔ کلچر کسی معاشرے کی فکری تشکیل ہے تو ثقافت علوم و فنون کا مظہر ہے، جب کہ تہذیب اور تمدن کا آپسی تعلق روح اور جسم کا ہے۔ کلچر یا ثقافت رسم ورواج، میلے ٹھیلے، خوشی اور غم کے اظہار کے مروجہ طریقے، موسیقی ورقص مجسمہ سازی، آرٹ، پینٹنگز، خطاطی جیسے فنون کا اظہاریہ ہوتا ہے۔ تمدن کا تعلق انسان کی فکرو دانش کے خارجی اظہار سے ہے مثلاً فنِ تعمیر، رہن سہن، لباس، خوراک، عمارت، باغات وغیرہ۔ تہذیب کے مقابلے میں تمدن کا دائرۂ کار محدود ہوتا ہے کیوں کہ تہذیب کے اندر تمدنی زندگی کے تمام مظاہر شامل ہوتے ہیں۔ تہذیب انسانی معاشرے کی فکری نمو، طرزِ زندگی، اخلاقی اقدار اور فنونِ لطیفہ کے جمالیاتی اظہار کا پرتو ہوتی ہے۔ سید سبطِ حسن نے تہذیب کی تعریف اور اس کے عناصرِ ترکیبی کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے:

> ''کسی معاشرے کی بامقصد تخلیقات اور سماجی اقدار کے نظام کو تہذیب کہتے ہیں۔ تہذیب معاشرے کی طرزِ زندگی اور طرزِ فکرو احساس کا جوہر ہوتی ہے۔ چناں چہ زبان، آلات واوزار، پیداوار کے طریقے، سماجی رشتے، رہن سہن، فنونِ لطیفہ، علم و ادب، فلسفہ و حکمت، عقائد وافسوں، اخلاق و عادات، رسوم و روایات، عشق و محبت کے سلوک اور خاندانی تعلقات وغیرہ تہذیب کے مختلف مظاہر ہیں۔'' [۴]

تہذیب، کائنات میں انسانی ذہن کے ارتقا کی شارح اور انسان کی تخلیقی قوتوں کے اظہار کا استعارہ

ہوتی ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی نے تہذیب کی اساس مسلم فکر پر استوار کی ہے۔ انھوں نے تہذیب کو روح عصر کے آئینے میں دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے نزدیک علوم و فنون اور رسوم ورواج وغیرہ کسی بھی تہذیب کے مظاہر تو ہو سکتے ہیں، مگر یہ تہذیب کی اصل نہیں ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> "...لوگ سمجھتے ہیں کہ کسی قوم کی تہذیب نام ہے اس کے علوم و آداب، فنونِ لطیفہ، صنائع بدائع، اطوارِ معاشرت، اندازِ تمدّن اور طرز سیاست کا۔ مگر حقیقت میں یہ نفسِ تہذیب نہیں تہذیب کے نتائج و مظاہر ہیں۔ تہذیب کی اصل نہیں ہیں، شجرِ تہذیب کے برگ و بار ہیں۔ کسی تہذیب کی قدر و قیمت ان ظاہری صورتوں اور نمائشی ملبوسات پر متعین نہیں کی جا سکتی۔" [۵]

سید ابوالاعلیٰ مودودی کے مطابق تہذیب کی ترکیب جن تصورات سے نمو پاتی ہے، ان میں دنیوی زندگی کا تصور، زندگی کا نصب العین، اساسی عقائد وافکار، تربیتِ افراد اور نظامِ اجتماعی کے تصورات شامل ہیں۔ تہذیب کا تعلق محض ظاہری اشیا، رہن سہن اور رسوم و رواج سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق کسی معاشرے کی جغرافیائی حدود، تاریخ، فکر و فلسفہ، مذہب، اخلاقی اقدار اور زبان سے ہوتا ہے۔ ثقافتی اور تمدنی مظاہر اس کی وسعت اور جامعیت میں اضافہ کرتے ہیں۔ تہذیب کسی معاشرے کی تاریخی و فکری بنیاد اور مذہبی و اخلاقی اقدار کی عکاسی کرتی ہے جس میں زبان کو کلیدی اور مرکزی کردار حاصل ہوتا ہے کیوں کہ زبان کی مقناطیسی قوت کسی معاشرے کے افراد کو آپس میں مربوط رکھتی ہے اور وہ اپنی تہذیبی و ثقافتی اقدار پر ناز کرتے ہوئے ان اقدار کو اگلی نسل تک منتقل کرتے ہیں۔

تہذیب کسی مخصوص جغرافیائی ماحول میں کسی خاص قوم کی معاشرت سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔ تہذیب کوئی جامد شے نہیں بلکہ اس میں ارتقا کا عمل جاری رہتا ہے۔ جب دو ثقافتیں ایک دوسرے کے قریب آتی ہیں تو دونوں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہیں اور ایک دوسرے سے اپنے مزاج اور عقائد سے موافقت رکھنے والے اوصاف جذب کر لیتی ہیں۔ اسلامی تہذیب اپنی خصوصیات کی بنا پر دیگر تہذیبوں سے منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ اسلامی تہذیب میں معاشرتی و اخلاقی اقدار کے حوالے سے مقررہ اصولوں پر عمل پیرا ہونا اس تہذیب سے وابستہ افراد کے لیے ضروری ہے۔ اسلامی تہذیب میں لچک بھی ہے مگر شرط یہ ہے

کہ کوئی مظہر اس کے بنیادی اصولوں اور مقاصد کے منافی نہ ہو۔ سراج منیر اسلامی تہذیب کے ان اصولوں کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "نبی کریمؐ نے ایامِ جاہلیت کی بہت سی رسموں کو برقرار رہنے دیا، کچھ ترمیم فرما دی اور کچھ کو یکسر منسوخ کر دیا۔ اس طریقہ کار کی لم یہ ہے کہ ان میں جو رسوم دینِ ابراہیمی کے سوتے سے پھوٹے تھے، اور اپنی اصل شکل میں برقرار تھے، اسلام نے انھیں قبول کر لیا۔ جن رسوم میں لوگوں نے ترمیم کر کے ان کی اصل صورت مسخ کر دی تھی، ان کو ان کی اصل صورت پر لوٹا کر انھیں اسلام کے شعائر میں داخل کر لیا گیا اور جو رسوم یکسر گمراہی پر بنیاد رکھتی تھی، انھیں منسوخ کر دیا گیا۔ ہر زمانے اور ہر زمین کے لیے اسلام کا اصولِ تہذیب یہی ہے۔" [۶]

اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ دنیا میں جہاں کہیں پہنچا، اسلامی تہذیب کے بنیادی عقائد اور اخلاقی اقدار نے وہاں کی مقامی تہذیب پر نمایاں نقوش مرتب کیے۔ مسلمان آٹھویں صدی کے آغاز میں جنوب سے ہندوستان میں داخل ہوئے اور انھوں نے سندھ اور ملتان میں اپنی حکومتیں قائم کیں۔ مسلمان حکمرانوں کا ربط مقامی تہذیب و معاشرت سے بہت گہرا رہا اس لیے ہندی تہذیب پر بھی اسلامی تہذیب کے اثرات مرتب ہوئے، تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ ہندوستان میں اسلام خود بھی ہندوستانی مذاہب سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ چناں چہ مسلمانوں کے مذہبی عقائد اور رسم و رواج پر مقامی معاشرت کے اثرات واضح نظر آنے لگے۔ مسلمانوں کے ہندوستان میں وارد ہونے کے بعد مقامی تہذیب اور اسلامی تہذیب کے اختلاط سے تشکیل پانے والی اس متنوّع تہذیب کو ہند اسلامی تہذیب یا ہندو مسلم تہذیب کہا جاتا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی ہند اسلامی تہذیب کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> "... اس برصغیر میں مسلمانوں کی ایک ہزار سالہ دورِ حکومت میں یہاں کی فضا، مزاج، آب و ہوا اور میل جول کے زیر اثر پروان چڑھتی ہے جس میں عربوں کا مذہبی جوش اور آدرش بھی شامل ہے اور افغانیوں، ایرانوں، ترکمانیوں اور مغلوں کا مزاج اور روح بھی۔ نہ صرف یہ بلکہ اس کی روح نے برصغیر پاک و ہند کی روح کو اپنے

مزاج میں سمو کر ایک ایسا نمونہ پیدا کیا تھا جو کم و بیش آج برصغیر کی زندہ تہذیب کی بنیاد ہے۔" [۷]

ہندوستان میں اگر کسی تہذیب نے مقامی تہذیب پر نمایاں اثرات مرتب کیے اور اس تہذیب میں کشش اور جاذبیت پیدا کی تو وہ اسلامی تہذیب ہے۔ چناں چہ ہند اسلامی تہذیب میں ایک ایسی جامعیت پیدا ہوئی جس میں دونوں تہذیبوں کا ہر اسلوب اور ہر انداز الگ الگ پہچانا جا سکتا ہے۔ اس مشترکہ تہذیب میں اسلامی تہذیب کے عقائد، تصورات اور اقدار بھی تھیں اور مقامی تہذیب کے تمام معاشرتی رنگ بھی۔

ہر سماج کا تہذیبی و تاریخی ورثہ، فکر و فلسفہ، نظامِ حیات اور اس کی مذہبی و اخلاقی اقدار، شعر و ادب کے تخلیقی عمل کا محرک ہوتے ہیں۔ ادب اپنے عہد کی معاشرتی و اخلاقی اقدار اور سماجی رویوں کا عکاس ہوتا ہے۔ چناں چہ ادب کے مطالعے سے کسی معاشرے کی تہذیبی، ثقافتی اور فکری سمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اردو محض ایک زبان ہی نہیں بلکہ یہ ایک تہذیب بھی ہے کیوں کہ اردو کا ظہور ہندوستان کی مشترکہ تہذیب و ثقافت کے بطن سے ہوا۔ اگرچہ ہر زبان میں اپنی تہذیب کی صوتی، استعاراتی اور تلمیحی لفظیات موجود ہوتی ہے، لیکن اردو کا امتیاز یہ ہے کہ اس زبان کے خمیر میں کئی عالم گیر تہذیبوں اور زبانوں کی روح شامل ہے۔ ڈاکٹر سید محمود اردو زبان کو ہندو مسلم ملاپ کی بڑی یادگار قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ زبان جس کو آج ہم ہندو مسلمان بول رہے ہیں ایک ہزار برس کے میل جول سے بنی ہے۔ اس کے بنانے میں ہمارے ہندو مسلمان دونوں کے بزرگوں کی عمریں بیتی ہیں۔ یہ ہندوستان میں ہندو مسلم ملاپ کی بڑی یادگار ہے۔" [۸]

زبان کسی بھی معاشرے کی تہذیبی اقدار و روایات کی امین ہوتی ہے اور اس معاشرے کی تہذیبی شناخت میں نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔ شاعری کو کسی معاشرے کا تہذیبی بیانیہ بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اردو شاعری ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کی آئینہ دار ہے اور اس میں ہند اسلامی تہذیبی عناصر کی روایت بہت پختہ ہے۔ اردو نظم و نثر کے ابتدائی نمونوں میں ہند اسلامی تہذیب کے عناصر واضح طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ آغاز ہی سے اردو زبان و ادب کے فروغ میں مسلمان صوفیا کے علاوہ ہندوؤں اور سکھوں نے بھی معتد بہ حصہ ڈالا۔ اردو شاعری میں ہندوستان کی مقامی لفظیات، تراکیب اور تاریخی حقائق کے ساتھ ساتھ برصغیر کے

تمام مذاہب: اسلام، ہندومت، بدھ مت، جین مت، سکھ مت اور عیسائیت کی مذہبی شخصیات، واقعات اور عقائد بھی تلمیحاتی انداز میں منعکس ہوئے ہیں۔ اردو کی ابتدائی تخلیق 'کدم راؤ پدم راؤ' سے لے کر اب تک کی تمام نثری اور شعری تخلیقات و تصانیف میں مقامی عناصر ملتے ہیں۔ اردو کی ابتدائی مثنویوں میں ہندوستان کے قدیم عوامی اور مذہبی قصے اور حکایات کو جس طرح پیش کیا گیا ہے کہ اس سے بھی ہندوستان کی مشترکہ تہذیب سامنے آتی ہے۔ فورٹ ولیم کالج (۱۸۰۰ء) کے تحت لکھی جانے والی کتب میں خصوصی طور پر مقامی تہذیب و معاشرت، رسم و رواج اور افکار و نظریات کی عکاسی نظر آتی ہے۔ صوفیا نے بھی شاعری اور نثری تحریروں کے لیے لفظیات و تراکیب مقامی تہذیب و معاشرت سے مستعار لی ہیں۔ بابا فرید گنج شکر کے اشلوک اور امیر خسرو کے دوہے اس حوالے سے اہم ہیں۔ صوفیا کے علاوہ بھگتی تحریک سے متاثر بھگتوں کی شاعری پر بھی ہند اسلامی تہذیب کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ ولی دکنی کی غزل اور بعد ازاں نظیر اکبر آبادی کی نظم ہند اسلامی عناصر سے مملو نظر آتی ہے۔ نظیر کی شاعری میں ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کی مذہبی اور سماجی رسومات کا ذکر ملتا ہے۔ اردو کے کلاسیکی شعرا میر تقی میر، میر درد، مرزا سودا، مرزا مظہر جانِ جاناں اور اصغر گونڈوی کے ہاں بھی یہ روایت موجود رہی۔ میر انیس نے اپنے مرثیوں میں واقعہ کربلا کی منظر نگاری کے لیے مقامی تہذیب و معاشرت اور رسوم و رواج کا سہارا لیا۔ یہ روایت مرزا غالب، اکبر الٰہ آبادی اور مولانا حالی سے ہوتی ہوئی مولانا ظفر علی خان اور اقبال تک جا پہنچی۔ اقبال کی شاعری مسلمانوں کی فکری راہ نمائی کے لیے سمت نما کا کردار ادا کرنے کے ساتھ ساتھ ہندو مسلم تہذیب کی عکاس بھی ہے۔

اردو شاعری میں ہند اسلامی تہذیبی عناصر کے استعمال کی روایت قیامِ پاکستان کے بعد بھی شعرا کے ہاں موجود رہی اور انھوں نے اسلامی تاریخ و تہذیب کے ساتھ ساتھ مقامی لفظیات و تراکیب اور تلمیحات کو نظم اور غزل ہر دو اصناف میں بالکل اسی طرح جگہ دی جس طرح صوفیا نے آغاز میں ہند اسلامی تہذیبی عناصر سے اردو شاعری کی بنت کاری کی۔ قیام پاکستان کے بعد جدید اردو غزل کے افق پر ناصر کاظمی ایک درخشندہ ستارے کی حیثیت سے طلوع ہوئے۔ ان کی شاعری میں دل اور دلی ایک نقطۂ اتصال پر آگئے ہیں۔ ان کی شاعری میں ہجرت کا المیہ اور ہند اسلامی تہذیب کی بازیافت منعکس ہوتی ہے۔

اسی گوشے میں ہیں سب دیر و حرم
دل صنم ہے کہ خدا غور سے سن[۹]

ناصر کاظمی کی شاعری اسلامی عناصر اور مقامی لفظیات وتراکیب سے نمو پاتی ہے۔ اس لیے ان کے کلام میں دیر و حرم اور صنم وخدا ساتھ ساتھ استعمال ہوئے ہیں۔ منیر نیازی کے کلام میں اسلامی تہذیب کے علاوہ دیومالائی اور ہندی عناصر بھی شامل ہیں۔ ان کے یہ اشعار دیکھیے :

جرم آدم نے کیا اور نسلِ آدم کو سزا
کاٹتا ہوں زندگی بھر جو میں نے بویا نہیں [۱۰]
منیر اس ملک پر آسیب کا سایہ ہے یا کیا ہے
کہ حرکت تیز تر ہے اور سفر آہستہ آہستہ[۱۱]

منیر نیازی کے محولہ بالا پہلے شعر میں اسلامی نظریے کے برعکس ہند اسلامی تہذیبی فکر پر موجود عیسائیت کے اثرات منعکس ہوئے ہیں۔ عیسائیوں کا یہ نظریہ ہے کہ آدم علیہ السلام شجرِ ممنوعہ کا پھل کھا کر جرم کے مرتکب ہوئے تھے جس کی وجہ سے جنت سے نکالے گئے، اسی لیے نسلِ آدم میں پیدا ہونے والا ہر بچہ سزا کا مستوجب ہے۔ حالاں کہ اسلام کے نزدیک ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے اور معصوم ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسرے شعر میں ہندی اثرات کے باعث دیومالائی تصور یعنی آسیب کا سایہ سامنے آیا ہے۔

میرا جی، ن۔ م۔ راشد، مجید امجد اور فیض احمد فیض ہندی اساطیر اور دیومالائی واقعات کو شعری آہنگ عطا کرتے ہیں اور ان کی شاعری میں اساطیری رجحانات اور تہذیبی و ثقافتی مظاہر نظر آتے ہیں۔ مجید امجد نے اپنی شاعری میں اپنی مٹی سے محبت کو صدیوں کے تہذیبی سفر سے مربوط کیا ہے۔ فیض احمد فیض کے ہاں حب الوطنی، عام طبقے کی محرومیاں، سقوطِ ڈھاکہ اور جبر و استحصال کے خلاف ردعمل ملتا ہے۔ مخصوص ترقی پسندانہ نظریات کے ساتھ ساتھ ان کی شاعری میں ہند اسلامی تہذیبی رو بین السطور ملتی ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا کی شاعری کا ہندی مزاج انھیں اپنے ہم عصر شاعروں میں ممتاز مقام عطا کرتا ہے۔ ان کی ''ارضی ثقافتی تحریک'' کے ڈانڈے بھی ہند اسلامی تہذیب سے جا ملتے ہیں۔ انھوں نے ارضی و ثقافتی تحریک کے ذریعے ادب کی اساس قدیم تہذیبوں میں تلاش کی ہے۔ جمیل الدین عالی، ناصر شہزاد اور رشید قیصرانی کے دوہوں

میں بھی ہند اسلامی تہذیب منعکس ہوئی ہے۔ ناصر شہزاد کی نظم، غزل اور خاص طور پر گیت پر ہندی اثرات نمایاں ہیں۔ احمد فراز نے ہندوستان اور پاکستان دونوں ممالک میں یکساں مقبولیت حاصل کی ہے۔ وہ دنیا بھر کی مظلوم اقوام کی کسمپرسی کو تہذیبی پس منظر کے وسیع تناظر میں اجاگر کرتے ہیں۔ ان کی شاعری میں ہند اسلامی تہذیب اور وطن سے محبت کے عناصر ملتے ہیں۔ عبدالعزیز خالد کا تہذیبی شعور بہت گہرا اور پختہ ہے۔ ان کی شاعری اگرچہ عربی زبان وادب اور اسلامی تاریخ و تہذیب کی عکاس ہے تاہم ان کے ہاں ہند اسلامی تہذیبی علائم بھی منعکس ہوتے ہیں:

حرم و دیر فسانہ ہے، یہی چلتی سانس زمانہ ہے
یہی گوشۂ دلِ ناصبور ہی کُنجِ باغِ نعیم ہے [۱۲]
بٹ مار ہے ملا مسجد میں
مندر میں بھکشو دھوکا ہے [۱۳]
نانک کی طرح میں ہوں نہ کافر نہ مسلمان
ہوں بندۂ حق، عدل و صداقت کا پرستار [۱۴]

ان اشعار سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ مجید امجد، احمد فراز اور عبدالعزیز خالد نے مقامی مذاہب اور مقامی معاشرت کو اسلامی اصطلاحات کے ساتھ استعمال کرکے اپنے اشعار کی اثر آفرینی میں اضافہ کیا ہے۔ مجید امجد نے حرم و دیر اور باغِ نعیم کو یکجا کرکے دونوں مذاہب کی مقدس عبادت گاہوں کا تذکرہ کیا ہے، احمد فراز نے ملا اور مسجد کے ساتھ مندر اور بھکشو کا طنزیہ انداز میں ذکر کرکے منافقت، دھوکا دہی جیسے منفی رویے کی طرف اشارہ کیا ہے، جب کہ عبدالعزیز خالد نے نانک کے نام سے ہندوستان کی مذہبی و تہذیبی داستان کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔

یوسف ظفر کی شاعری بھی مشترکہ تہذیبی علائم سے تشکیل پاتی ہے اور اپنی تہذیبی و ثقافتی اقدار و روایات کی آئینہ دار ہے۔ ان کے یہ اشعار بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں:

وہی ہم ہیں کہ جو 'میم' کا پیکر بنا کر
شوالوں کے اندھے اجالوں میں لا کر

اسے پوجتے ہیں کہ یہ خالقِ کل
ہمارے جہنم کو جنت بنا دے[۱۵]

اردو شاعری میں فکری حوالے سے ۷۰ کی دہائی کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ اس دہائی میں اردو شعرا کے ہاں تہذیبی اور اساطیری رجحان غالب نظر آتا ہے۔ اس عہد کے شعرا نے اپنی تہذیب، تاریخ، مذہب اور سماجی اقدار کو موضوع بنایا ہے۔ سقوطِ ڈھاکہ کے سانحے کے بعد وطن کی محبت بھی تہذیبی موضوع کی صورت میں اردو شاعری میں در آئی۔ چناں چہ اس عہد کے نمائندہ شعرا کے ہاں فکرِ اسلامی اور پاکستان سے محبت اہم ترین موضوعات کے طور پہ سامنے آتے ہیں وہیں ان کے کلام میں ہند اسلامی تہذیب کی بازگشت بھی سنائی دیتی ہے۔ ڈاکٹر طارق ہاشمی اس رجحان کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> "۷۰ کی دہائی کے شعرا نے جہاں روایت کے احیا اور جدید تجربات میں توازن لانے کی سعی کی وہاں اس نسل کی تخلیق کردہ غزل میں تجربوں کا ایک نیا راستہ بھی اسلوب اور زبان و بیان کی نئی جہتوں کی طرف کھلتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے اہم تجربہ اسلامی و عجمی تہذیب سے وابستہ اساطیری علائم اور لفظیات کا استعمال ہے جس نے متعدد شعرا کے ہاں قبولیت حاصل کی اور غزل میں ایک نیا طرزِ احساس پیدا ہوا۔" [۱۶]

جن شعرا کے ہاں ہند اسلامی تہذیبی طرزِ احساس نمایاں نظر آتا ہے اور انھوں نے اردو شاعری کی اس روایت کو بڑھانے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے، ان میں ڈاکٹر احسان اکبر، ڈاکٹر خورشید رضوی، افتخار عارف، جلیل عالی اور محمد اظہار الحق کے نام زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ ڈاکٹر احسان اکبر نے غزل میں بالعموم اور نظم میں بالخصوص اپنا اختصاص پیدا کیا ہے۔ ان کی نظم میرا جی، تصدق حسین خالد، وزیر آغا، اختر حسین جعفری اور مجید امجد کی نظم کا تسلسل ہے۔ انھوں نے فکری اور فنی ہر دو حوالوں سے پاکستانی ادب پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ ان کی شاعری میں در آنے والے اقبال، کشمیر، اسلام اور پاکستان جیسے بڑے موضوعات نے اردو شاعری میں حریت پسندانہ رجحانات کو فروغ دیا ہے۔ ہند اسلامی تہذیب کے عکاس ان کے یہ اشعار دیکھیے:

مرا بخت مجھ سے بچھڑ گیا کہ میں اعتکاف میں پڑ گیا
مرا چلہ ایسا بگڑ گیا ہے کہ جیت ہوں نہ میں ہار ہوں [۱۷]
سوجن آ جاتی تھی پیروں میں تہجد پڑھتے
سجہ سانسوں میں رواں ذکر کی مالا والا [۱۸]

ڈاکٹر احسان اکبر کے ان اشعار میں اسلامی تہذیب اور ہندی تہذیب مشترک صورت میں تشکیل پا کر سامنے آتی ہیں۔ وہ اپنے اشعار میں دونوں تہذیبوں کے مذہبی عقائد اور لفظیات کو یکجا کر کے پیش کرتے ہیں۔ اعتکاف، چلہ، تہجد، سجہ، ذکر اور مالا جیسے الفاظ کا خوبصورت انداز میں استعمال ہند اسلامی تہذیب کی عکاسی کرتا ہے۔ نظم ''کوئی دابی پور کماد کی'' میں انھوں نے مقامی تہذیب و معاشرت کو جس احسن انداز میں پیش کیا ہے، وہ انھی کا خاصا ہے۔ نظم کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے جس میں مقامی الفاظ کے بر محل استعمال نے نہ صرف ان کی نظم کے فنی محاسن میں اضافہ کیا ہے، بلکہ نظم کے فکری ابلاغ کو بھی یقینی بنا دیا ہے۔

اک منزل پچھلے چاند کی
نت روشن اس کی لو
وہ وقت کو پیچھے چھوڑ گئی
اسے دھنے واد کہو
دابی ہوئی پور کماد کی
جو پھوٹی مگھر، پوہ
کتنوں کو اک یہی چاہ تھی
وہ صرف مخاطب ہو
اے روپ جمال وصال کے
ترا کون سا ہے شبھ ناؤں [۱۹]

اس نظم میں مقامی الفاظ نے احسان اکبر کی نظم میں ایک خاص طرح کی اپنائیت کا احساس پیدا کر دیا ہے جیسا کہ اس اقتباس میں نت، دھنے واد، مگھر، پوہ، چاہ، روپ، شبھ ناؤں جیسے الفاظ اور تراکیب نے نظم کے صوتی آہنگ کو بھی بے مثل کر دیا ہے۔ حمید نسیم نے ہند اسلامی تہذیب کی عکاس احسان اکبر کی نظم نگاری کے حوالے سے لکھا ہے:

''اکیسویں صدی میں اردو شاعری کی لفظیات اور اسلوب وہی ہو گا جو احسان اکبر کی نظم 'کوئی دابی پور کماد کی' میں جلوہ گر ہے۔'' [۲۰]

ڈاکٹر خورشید رضوی عربی زبان و ادب اور اسلامی تاریخ و تہذیب کا گہرا ادراک رکھنے والے صاحب طرز شاعر ہیں جن کے کلام میں تغزل کی سرمستی اور سوز و گداز نظر آتا ہے۔ان کی شاعری میں عربی استعاروں، قرآنی اصطلاحات اور اسلامی تاریخی حوالوں کے ساتھ ساتھ ہند اسلامی تہذیب کی عکاسی بھی ملتی ہے:

کسی دن اہلِ دنیا سے بہت دور
خدا کے بازوؤں میں جا کے روئیں [۲۱]
رو رہا ہوں ہر پرانی چیز کو دیکھ کر
جانے کس کی روح میرے روپ میں لائی گئی[۲۲]

ڈاکٹر خورشید رضوی ایسے اسلامی تہذیب و تاریخ اور قرآن و حدیث کا گہرا شعور رکھنے والے صاحبِ فکر شاعر کے محولہ بالا اشعار میں جامد خدا کا تصور اور تناسخ یا پنر جنم کا تصور در آنا ہند اسلامی تہذیب کے اثرات ہی کا نتیجہ ہے۔

افتخار عارف فکرِ اسلامی کے علم بردار اور ہند اسلامی تہذیب کے نمائندہ شاعر ہیں۔انھوں نے اپنی شاعری سے اپنے پورے عہد کو متاثر کیا ہے۔انھوں نے اپنے عہد کی جبریت اور جدید عصری حسیت کو کربلا کے آئینے میں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ان کے ہاں اسلامی استعارے اور مذہبی و تہذیبی تلمیحات فنی بالیدگی کے ساتھ ابھر کر سامنے آتے ہیں۔وہ خود کہتے ہیں :

میں آج بھی ہوں اسی لہجہ و لغت کا اسیر
نمود کرتی ہے تہذیبِ لکھنؤ مجھ میں [۲۳]

افتخار عارف کے کلام میں ہند اسلامی تہذیب سے وابستہ عناصر جابہ جا دیکھے جا سکتے ہیں۔انھوں نے کربلا کے واقعے کو جس خوب صورت انداز سے مقامی تہذیب کے ساتھ جوڑ کر پیش کیا ہے،اس کی مثال نہیں ملتی۔ان کی شاعری میں خالص اسلامی افکار و نظریات کے ساتھ ہندی تصورات کا منعکس ہونا،ان کی شاعری پر ہند اسلامی تہذیب کے اثرات کی غمازی کرتا ہے۔جیسا کہ یہ اقتباس دیکھیے جس میں ''جنم جنم'' کی

ترکیب دراصل ہندی تصور تناسخ یا آواگون کی طرف اشارہ ہے:

اک خوشبو ہے جو بستی بستی میرا پیچھا کرتی ہے
اور اپنے جی کی بات بتاتے ڈرتی ہے
اک دریا ہے جو جنم جنم کی پیاس بجھانے آتا ہے
اور انگارے برساتا ہے [۲۴]

جلیل عالی فکرِ اقبال کے تسلسل میں انا، خودی اور عرفانِ ذات کو اجتماعی تہذیبی استعاروں کے ذریعے نئے معانی عطا کرتے ہیں۔ انھوں نے نئی زمینوں، نئے قوافی اور نئے مضامین کو نئے رنگ و آہنگ میں ڈھال کر آج کے عہد کی غزل میں تازہ کاری کے احساس کو دوسروں کے لیے مثال بنایا ہے۔ ان کے ہاں دوسروں سے منفرد رہنے کی خواش جہاں لسانی اختراعات کو منصۂ شہود پر لاتی ہے اور فکِ اضافت کے تجربے سے زبان کے کینڈے کو تبدیل کرکے رکھ دیتی ہے، وہیں فکری حوالے سے تہذیبی اقدار و روایات کا اظہار ان کی شاعری کا جزوِلاینفک ٹھہرتے ہیں۔ ہند اسلامی تہذیبی طرزِ احساس کی حامل ان کی نظم ''مصلا الٹ بچھ گیا'' سے ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے:

صبح دم کیا مصلا الٹ بچھ گیا
لوحِ احساس پہ بدشگوں یاد لکھی گئی
عمر کے روزنامچے میں اک پورے برباد
بے برکتے دن کی روداد لکھی گئی[۲۵]

اس اقتباس سے مترشح ہوتا ہے کہ صبح کے وقت مصلا الٹ بچھ جانے کو شاعر پورے دن کی بے برکتی کا سبب سمجھتا ہے، حالاں کہ اس طرح کے تصورات اسلامی تعلیمات کے منافی ہیں۔ جلیل عالی کی یہ پوری نظم بدشگونی جیسا مقامی ہندی تصور پیش کرتی ہے۔ ان کی شاعری میں اس طرح کے تصورات کا در آنا دراصل ہند اسلامی تہذیبی اثرات کا نتیجہ ہے۔

جلیل عالی اپنے خطے کی تاریخ، تہذیب اور سیاست پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ اس لیے ان کی شاعری میں تہذیبی اقدار و روایات کو سیاسی تناظر میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ سیاسی واقعات کے نتیجے میں بدلتی ہوئی تہذیبی اقدار کو اپنی شاعری کا موضوع بناتے ہیں۔

گہری نیند سے جب جاگے تو کیا دیکھا
دشمن شہر کی دیواروں تک آ پہنچے[۲۶]
اس دن ایسی سرخی تھی اخباروں پر
گونگے ہو گئے شہر کے سارے ہاکر بھی[۲۷]

جلیل عالی کے ان اشعار میں ہند اسلامی تہذیب سے وابستہ ایک سیاسی واقعے، سقوطِ ڈھاکہ کی طرف اشارہ ملتا ہے جس سے جلیل عالی ایسا حساس شاعر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور یہ سیاسی و تہذیبی واقعہ شعری قالب میں ڈھل کے سامنے آیا۔

محمد اظہار الحق کے فنی پہلوؤں میں اسلامی عجمی تہذیب کی عکاسی، اس تہذیب کے مراکز اور وہاں کے مناظر و مظاہر کے ذریعے ہوتی ہے۔ وہ دنیا بھر کی تہذیبوں کی تاریخ اور مناظر و مظاہر سے عملی طور پر آشنا ہیں اسی لیے ان کی شاعری کا کینوس وسیع تر ہو گیا ہے۔ ان کے اشعار میں مقامی تہذیب و تاریخ سے وابستہ لفظیات میں سے ایسے الفاظ کا انتخاب کیا گیا ہے جو تخلیقی سطح پر نئے مفاہیم کو سامنے لاتے ہیں۔

فرشتے آج تک تسبیح میں ڈوبے ہوئے ہیں
پڑا تھا ایک لمحے کو مرا سایہ فلک پر[۲۸]
نجوم، زائچے، تقویم سب غلط نکلے
حساب کے لیے اک اور ہی جہان ملا[۲۹]

ان اشعار میں فرشتوں اور تسبیح کے ساتھ اپنا سایہ پڑنے کی بات کرنا، جب کہ روزِ حساب کے ساتھ نجوم، زائچوں اور تقویم کا ذکر کرنا ہند اسلامی تہذب کی عکاسی کرتا ہے۔

اردو شاعری میں ہنداسلامی تہذیبی سفر روزمرہ اور محاورہ کے علاوہ تشبیہات، تلمیحات اور استعارات تک میں نظر آتا ہے۔ احمد ندیم قاسمی، جمال احسانی اور ثروت حسین نے بھی وطن کی محبت اور اسلامی تہذیبی عناصر کی تلاش میں ہندوستان کی ثقافتی زندگی پر روشنی ڈالی ہے۔ احمد مشتاق، ناصر شہزاد، غلام محمد قاصر، غلام حسین ساجد، معین نظامی، ریاض مجید، صابر ظفر اور سید مبارک شاہ نے بھی اردو شاعری میں تہذیبی علائم اور لفظیات کے برتاؤ کا کامیاب تجربہ کرکے اپنے شان دار ماضی سے تعلق اُستوار کیا ہے۔ اس حوالے سے کچھ مثالیں دیکھیں:

تہوار ہیں جسموں سے ادھر اور طرح کے
نہ عید نہ میلاد نہ ہولی نہ دسہرا[۳۰]

نہ کوئی فال نکالی، نہ استخارہ کیا
بس ایک صبح یونہی خلق سے کنارہ کیا[۳۱]

آدم کی کسی روپ میں تحقیر نہ کرنا
پھرتا ہے زمانے میں خدا بھیس بدل کے[۳۲]

اردو شاعری میں ہند اسلامی تہذیبی عناصر کے حوالے سے صوفیائے کرام نے آغاز کیا اور پھر اردو زبان و ادب کے فروغ میں مسلمان صوفیا کے علاوہ دیگر مذاہب سے وابستہ شعرا و ادبا نے بھی بھرپور حصہ لیا۔ شاعر اپنے معاشرے کی تہذیبی اقدار و روایات کا نہ صرف امین و پاس دار ہوتا ہے بلکہ وہ اپنی شاعری سے ان تہذیبی اقدار کو فروغ بھی دیتا ہے۔ اس لیے اردو زبان کے کم و بیش ہر شاعر کے کلام میں ہند اسلامی تہذیبی عناصر منعکس ہوئے ہیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد اردو شاعری میں مشترکہ تہذیبی عناصر کی عکاسی کی یہ روایت برقرار رہی، بالخصوص ۷۰ کی دہائی میں کچھ شعرا کے ہاں اساطیری و تہذیبی رجحان سامنے آیا۔ معاصر اردو شاعری پر بھی ہند اسلامی تہذیب کے اثرات واضح نظر آتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر سجاد باقر رضوی، تہذیب و تخلیق (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۷ء)، ص ۲۲۔

۲۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، اردو غزل اور ہندستانی ذہن و تہذیب (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء)، ص ۳۳۔

۳۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، ہماری عظیم تہذیب (لاہور: الفیصل ناشران، ۲۰۱۴ء)، ص ۱۹۔

۴۔ سبطِ حسن، پاکستان میں تہذیب کا ارتقا (کراچی: مکتبہ دانیال، ۱۹۸۳ء)، ص ۱۳۔

۵۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی تہذیب اور اس کے اُصول و مبادی (مقدمہ) (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء)، ص ۶۔

۶۔ سراج منیر، ملت اسلامیہ-تہذیب و تقدیر (لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۸۷ء)، ص ۸۳: ۸۴۔

۷۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، پاکستانی کلچر (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۰۸ء)، ص ۸۰۔

۸۔ ڈاکٹر سید محمود، "متحدہ ہندوستانی قومیت"، مشمولہ: اردو اور مشترکہ ہندوستانی تہذیب، مرتبہ: ڈاکٹر کامل قریشی (دہلی: اردو اکادمی، ۱۹۸۷ء)، ص ۵۳۔

۹۔ ناصر کاظمی، کلیاتِ ناصر (لاہور، جہانگیر بکس۔ س ن)، ص ۱۰۹۔

۱۰۔ منیر نیازی، ایک اور دریا کا سامنا (کلیات) (لاہور: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ص ۲۱۷۔

۱۱۔ ایضاً، ص ۴۱۲۔

۱۲۔ مجید امجد، کلیاتِ مجید امجد، مرتبہ: خواجہ محمد زکریا (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء)، ص ۱۲۵۔

۱۳۔ احمد فراز، شہر سخن آراستہ ہے (کلیات) (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء)، ص ۱۴۱۱۔

۱۴۔ عبدالعزیز خالد، سراب ساحل (لاہور: مقبول اکیڈمی، ۱۹۸۷ء)، ص ۶۹۔

۱۵۔ یوسف ظفر، کلیاتِ یوسف ظفر، مرتبہ: ڈاکٹر تصدق حسین راجا (اسلام آباد: روداد پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء)، ص ۳۳۱۔

۱۶۔ طارق ہاشمی، اردو غزل۔ نئی تشکیل (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۰۸ء)، ص ۱۶۸۔

۱۷۔ احسان اکبر، شایگان (اسلام آباد: المسطر، ۲۰۰۹ء)، ص ۱۶۷۔

۱۸۔ احسان اکبر، طہور (اسلام آباد: المسطر، ۲۰۰۹ء)، ص۹۱۔

۱۹۔ احسان اکبر، ہوا سے بات (اسلام آباد: المسطر، ۲۰۰۹ء)، ص ۲۳۔

۲۰۔ حمید نسیم، ’’فلیپ‘‘، مشمولہ: ہوا سے بات، از: احسان اکبر، ص ۲۳۔

۲۱۔ خورشید رضوی، ’’سرابوں کے صدف‘‘، مشمولہ: یکجا(کلیات) (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء)، ص۶۔

۲۲۔ خورشید رضوی، ’’شاخِ تنہا‘‘، مشمولہ: یکجا(کلیات)، ص۳۱۔

۲۳۔ افتخار عارف، باغِ گلِ سرخ (کراچی: مکتبہ دانیال، ۲۰۲۱ء)، ص۱۰۴۔

۲۴۔ افتخار عارف، مہرِ دونیم (اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۱۳ء)، ص۷۹۔

۲۵۔ جلیل عالی، قلبیہ (راول پنڈی: حرف اکادمی، ۲۰۲۱ء)، ص ۳۲۔

۲۶۔ جلیل عالی، خواب دریچہ (راول پنڈی: گندھارا بکس، ۲۰۰۴ء)، ص ۷۲۔

۲۷۔ ایضاً، ص ۷۳۔

۲۸۔ اظہار الحق، کئی موسم گزر گئے مجھ پر(کلیات) (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء)، ص۳۷۵۔

۲۹۔ ایضاً، ص۱۶۰۔

۳۰۔ ثروت حسین، آدھے سیارے پر (لاہور: قوسین، ۱۹۸۷ء)، ص۱۲۸۔

۳۱۔ جمال احسانی، کلیاتِ جمال (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء)، ص۲۶۵۔

۳۲۔ سید مبارک شاہ، کلیاتِ سید مبارک شاہ (جہلم: بک کارنر، ۲۰۲۱ء)، ص ۴۷۔